جلد ۱۰ شمارہ ۱۸، ۲۰۲۵

Article

An Analytical Study of Female Characters in Twentieth Century Urdu Novels

بیسویں صدی کے اردو ناول میں نسوانی کرداروں کا تجزیاتی مطالعہ

Dr. Aasma Rani[1*], Dr. Aqsa Naseem Sindhu[2]
[1]Associate Professor,[2]Assistant Professor, Department of Urdu, Government Sadiq College Women University, Bahawalpur
***Correspondence: aasma.rani@gscwu.edu.pk**

ڈاکٹر عاصمہ رانی[۱]، ڈاکٹر اقصیٰ نسیم سندھو[۲]
[۱]ایسوسی ایٹ پروفیسر، [۲]اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ صادق کالج وومن یونیورسٹی بہاول پور

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Copyright: © 2025 by the authors.

Abstract:
The analysis of feminine character in Urdu novels explores the evolution, representation, and socio-cultural implications of female protagonists and supporting characters. This study examines how women are portrayed across different periods of Urdu literature, reflecting societal changes, gender roles, and feminist discourse. It delves into the psychological depth, struggles, and aspirations of female characters, assessing their roles as traditional caregivers, rebels, or empowered individuals challenging patriarchy. The research highlights the influence of historical, political, and literary movements on the construction of feminine identity in Urdu fiction. By analyzing works of renowned novelists, the study provides insights into the dynamic interplay between literature and women's status in society.

Keywords:
Feminine character, gender representation, feminist discourse, women in literature, patriarchy, literary analysis, social change, character evolution

قصہ /کہانی سے انسانی دلچسپی فطری عمل ہے۔ آج تک ایسا کوئی عہد نہیں گزرا جہاں قصہ گوئی کسی شکل میں موجود نہیں ہو۔ ابتدائی زمانوں میں ناول کی جگہ داستان کا راج تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کی جگہ ناول نگاری نے لے لی لیکن ایسا ہر گز نہیں کہ داستان اپنی اہمیت کھُو چکا ہے۔ناول اور قدیم کہانیوں میں فرق صرف حقیقی اسلوب کا ہے۔داستانوں کا اسلوب اور کہانی مافوق الفطرات عناصر پر مبنی ہے۔ فن کی رُو سے اس میں کسی خاص نقطہ نظر کے ذریعے انسانی زندگی سے متعلق حقیقی واقعات کو بیان کیا جاتا ہے۔اس نثری صنف میں زندگی کے مرقعے پیش کئے جاتے ہیں جو حقیقی ہیں۔

According to Ifor Evans:

"Thus, the novel can be described as a narrative in pose based on a story which the author may portray character or the life of an age and analysis sentiments and passions and the reactions of men and women to their environment. This he may do with a setting either of his own times or of the past. Further, beginning with a setting in ordinary life he may use the novel for fantasy, or some portrayal of the supernatural." (۱)

کہانی سے لطف اندوز ہونا انسانی فطرت ہے۔ناول کا موضوع ایسے حالات اور واقعات ہوتے ہیں جو عام و خاص ہر شخص کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔اس کے ذریعے فنکار جو کچھ محسوس کرتے ہیں یا جن باتوں اور چیزیوں نے اُس پر اثر کیا ہو ان سب کا اظہار کرتا ہے۔ ناول ادب کی اہم اصناف میں شامل ہے۔ جس میں ادیب اپنے نظریات کو منفرد اسلوب اور انداز سے پیش کرتا ہے۔ان میں کسی قسم کے مافوق الفطرت یا من گھڑت کہانیوں کا عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ یہ حقیقت سے جڑا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر یوسف سرمست ناول کی تعریف کرتی ہیں کہ:

"ناول ایک مخصوص سماج ہی میں پیدا ہوتا ہے۔اُردو ناول کا آغاز اہم سماجی تبدیلیوں کا مظہر ہے۔"(۲)

ناول کی ہیئت اور انداز بے شک کہانی جیسا ہوتا ہے لیکن اصل میں اس کے پس منظر سماجی و معاشرتی شعور اور ماحول پر تنقید اور اصلاح کی جاتی ہے۔ حقیقت پسندی، طبقاتی آمیزش اور فنی وجمالیاتی سطح دراصل ناول کی بنیادی خوبیاں ہیں۔

نادر قادری لکھتے ہیں۔

> "ناول کے سلسلے میں سماجی حقیقت نگاری اور طبقاتی تصادم و آویزش کا بنیادی اور حقیقی معیار اس لیے قرار دیا دیا گیا کہ ان کا تعلق روحِ فن سے ہے یعنی یہ داخلی فنی پیمانہ ہے۔۔۔جب ہر فنی تخلیق ایک زندہ جاوید شخصیت سے عبارت ہے تو اس کے متعلق کوئی بھی فیصلہ روح یا جسم کو نظر انداز کر کے نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ناول کے فن کے لیے دو اجزا کا ہونا لازمی ہے یعنی حقیقت نگاری اور اخلاقی نقطہ نظر۔" (۳)

چنانچہ ناول داستان کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ جس کو اُردو میں انگریزی نے متعارف کروایا۔یہ انسانی خیالات کا تجزیہ بھی ہے اور ان کے مظاہر کا ریکارڈ جو وقت کے ساتھ قصوں کے ذریعے سے ہماری زندگی کا ترجمان بن گیا۔ پلاٹ، کہانی، کردار، مکالمہ، زبان اور منظر نگاری اس کے اہم اجزائے ترکیبی ہیں۔"پلاٹ نہ صرف ناول میں بلکہ ہر صنفِ نثر میں کلیدی اہمیت رکھتا ہے، اس کے بغیر ناول کی عمارت کو

کھڑا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پلاٹ کی بدولت ہی ناول کا تانا بانا تیار کیا جاتا ہے جو ناول میں موجود تاثرات کو جہت عطا کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ پلاٹ ہی کے تحت قارئین کے شوق کو بیدار کیا گیا ہے۔ فن ناول میں کردار بھی اساسی حیثیت رکھتے ہیں، کردار نہ صرف قصے کا اہم حصہ ہے بلکہ ان کی مدد سے حقیقی زندگی سے متعلق رنگوں کو کہانی میں اُبھارا جاتا ہے۔ جس سے پڑھنے والے کی زندگی میں حرکت و حرارت پیدا ہونے لگتی ہے۔ اس کے علاوہ واقعات، پلاٹ اور کرداروں کے سہارے آگے بڑھتے ہیں اور ارتقاء کی منزلیں طے کرتے ہوئے کہانی کو انجام تک پہنچا دیتے ہیں۔ واقعات کی درست ترتیب اور تسلسل کا انحصار بھی کردار پر ہوتا ہے۔ متحرک اور فعال کردار ہی واقعات اور قصے میں جان ڈالتے ہیں۔" (۴)

ادب کا مقصد خیالات کی اشاعت نہیں اور نہ ہی ہو سکتا۔ اس کا مقصد تو حُسن تخلیق کی اہمیت ہے اور ایسے ادب کی بہترین مثال ناول ہے۔ فن ناول نگاری انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ترجمانی کرتا ہے۔

کردار کو انگریزی میں "Character" کہتے ہیں۔ کیرکٹر یونانی زبان کے لفظ "krerktrie" سے نکلا جس کے معنی نقش کرنا، کندہ کرنا اور "engraving" کرنا کے ہیں۔ کیرکٹر سے چھان بین کر کے اُردو ادب میں کردار لفظ کو مخصوص کر دیا گیا۔ یہ اپنے عام و فہم معنوں کے علاوہ اصطلاح بھی ہے۔ بقول ڈاکٹر احمد صغیر:

"ناول نگار کردار کے نفسیاتی عمل و ردِ عمل، نشیب و فراز کا اظہار کرتا ہے۔" (۵)

کرداروں کے تغیرات کی ابتداء جذبوں سے ہوتی ہیں۔ جذبہ اپنی قوت کے اعتبار سے نہایت مرکب اور پیچیدہ شے ہے۔ کردار نگاری ادب میں فنی عنصر کے طور پر مقبول ہوا جس کے بغیر افسانوی ادب (داستان، ناول، افسانہ، ڈرامہ) مکمل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ان کا اہم جُز ہے۔ اس کی جامع تعریف یہ ہو سکتی ہے کہ مکالموں کی مدد سے، ان کے ناموں کو لکھ کر یا کسی خوبی کی جانب عنوان سے اشارہ کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔

ارتقائے تمدن کے ساتھ انسان، اس کے مسائل، سماج، سیاسی اُلجھنیں ادب کا اہم اور دلچسپ موضوع بن گیا۔ قدیم قصوں میں محض واقعوں کو اہمیت دی جاتی تھی کردار نگاری پر توجہ نہیں دی گئی لیکن جدید دور میں پلاٹ / قصے کے ساتھ کرداروں کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ جدید ادب میں افسانوی و غیر افسانوی ادب کا دارومدار اور کامیابی کرداروں کی صحیح تخلیق پر سمجھا جاتا ہے۔

کردار انسانوں کے نمونے ہیں اور انسانی زندگی میں کوئی شخص ایک جیسا نہیں لہٰذا کہانیوں میں بھی کرداروں کے طرزِ عمل، انداز، جذبات اور سلیقہ مختلف دیکھایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے اگر کسی تخلیق میں دو کرداروں کے درمیان یکسانیت ہوں تو یہ کردار نگاری کا بڑا نقص ہے۔

صالحہ زریں کے نزدیک:

"پلاٹ کے بعد کردار کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے۔ اس میں کئی کردار ہوتے ہیں۔ ایک مرکزی کردار بھی ہوتا ہے۔ جس کے محور پر سارے واقعات گردش کرتے رہتے ہیں۔۔۔ ناول میں کردار مختلف جماعتوں کے ساتھ رہ کر اُن کے ہر پہلو کو اُجاگر کرتا ہے۔" (۶)

کردار دو طرح کے ہوتے ہیں یعنی مرکزی اور ذیلی جو ہنر مندی اور فنکارانہ شعور کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ناول و افسانے میں واقعات کے علاوہ کرداروں کا بھی فطری ہونا ضروری ہے تاکہ قارئین ان میں دلچسپی لیں۔ تخلیقات میں ان کے استعمال کا مقصد شخصیات و نفسیات اور فطرت کو اُجاگر کرنا ہے۔ یہ اسی صورت ممکن ہو گا جب کردار متحرک اور با عمل ہوں گے۔

ای۔ ایم فاسٹر نے کردار کی دو اقسام بتائی ہیں:

"We may divide characters into flat and round. Flat character was called "Humors" in the 17th century and are sometime, called types and sometimes caricatures. In the EIR purest form, they are constructed round. A single idea or quality: When there is more than factor in them, we get the beginning of the curve towards the round." (۷)

کرداروں کی تقسیم ان کے مزاج اور ارتقائی جہت کے مطابق بھی کی جاسکتی ہے۔ جیسے مزاحیہ خیز، سنجیدہ، المیہ اور انقلابی کردار بھی اہم ہوتے ہیں وہ چاہے مرکزی ہوں یا ذیلی۔ ای۔ ایم فاسٹر نے ان کو متحرک اور جامد کردار کا نام دیا ہے۔ انہوں نے لکھا:

"واقعی جامد کردار (باعتبارِ وصف) ایک جملے سے ظاہر کیا جاسکتا ہے یعنی جو اس کا وصف ہے وہ ہر جگہ ہر طرح کے حالات میں برقرار رہتا ہے۔۔۔ جبکہ متحرک کرداروں کو پیش کرتے وقت حزم و احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اور واقعات اور ماحول کی سازگاری کے بغیر ان کی متوقع یا غیر متوقع تبدیلی نہیں دیکھائی جاسکتی۔" (۸)

کرداری نگاری کا منصب یہی ہے کہ وہ معتبر دیکھائی دیں۔ بے شک ان کی ذاتی حیثیت و اہمیت جانبدار ہو یا ضمنی کیونکہ ان کی تخلیق خاص مقصد اور عمل کے پیشِ نظر کی جاتی ہے۔

ناول میں کردار نگاری کا فن نہایت اہم اور لازمی جُز ہے۔ دیگر فنون لطیفہ کی طرح ناول نگاری میں بھی زندگی کا نقشہ ہوتا ہے مگر یہاں یہ نقشہ جتنا حقیقت پر مبنی اور جیتا جاگتا ہو گا ناول اتنا ہی کامیاب کہلائے گا۔ اس صنفِ ادب میں کردار نگاری کی اول شرط بھی یہی ہے کہ فن پارے میں کردار حقیقت پر مبنی ہو۔ اس کے علاوہ ناول میں کرداروں کے لیے لازم ہے کہ وہ انفرادی اور امتیازی خصوصیات کے حامل ہونے کے ساتھ موجودہ زندگی، ماحول، سماج سے متعلق ہوں۔

ناز قادری اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

"کرداروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ امتیازی اور انفرادی خصوصیات کے حامل ہوں اور آئندہ زندگی سے مطابقت رکھتے ہوں، سماجی شخصیت کے علمبردار ہوں اور کتاب کے صفحے سے بلند ہو کر متحرک اور باعمل انداز میں قاری کی نگاہوں کے سامنے رقص کناں ہو جائیں۔ کامیاب کردار نگاری کی یہی پہچان ہے۔" (۹)

ناول میں مورخین یا مصور کی طرح کرداروں کے تاریخی یا داخلی و خارجی شخصیت کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ ناول نگار تو اپنے اصول اور دستور کے حکمران ہیں۔ جو بظاہر تو اپنے کرداروں کو مضبوط اور کمزور پیش کرتا ہے لیکن ان کے حرکات کی نگرانی خود کرتا ہے۔ ناول میں کردار بیانیہ اور ڈرامائی انداز میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ کردار نگاری کے حوالے سے ایک اہم بات جس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ قارئین کو ناول کے کرداروں سے کوئی اجنبیت نہ ہو۔ ان میں ہماری جیسی ہر طرح کی خوبی و خامی پائی جائے۔

معاشرے میں خواتین کے حقوق کا تحفظ اور عملی طور پر اس کے اطلاق کا نظریہ نسائیت کہلاتا ہے۔ جس کا بنیادی مقصد اس بات کا احساس پیدا کرنا ہے کہ خواتین کسی بھی معاشرے کا اہم جزو ہوتی ہیں اور کوئی معاشرہ اُس وقت تک مہذب نہیں ہو تا نہ ہی بن سکتا ہے جب تک اس کا نسوانی طبقہ تعلیم و تربیت سے اور اپنے حقوق سے آشنا نہیں ہوں۔

نسائیت کا پہلا دور اصلاحی نسائیت کا تھا۔ یہ تحریک زیادہ تر مراعات یافتہ طبقات کے مردوں اور عورتوں تک محدود تھی۔ ان کا مقصد تھا کہ عورتوں کے حالات میں اصلاح ہو غیر منصفانہ قوانین اور اقدار کا خاتمہ ہو اور خواتین کو زیادہ اور بہتر تعلیم دی جائے۔ اصلاح نسواں کو اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ اس سے عورتیں تعلیم یافتہ بیوی، بہن اور ماں بنیں گی اور معاشرتی نظام کو کسی حد تک بہتر کیا جائے سکے گا۔ اُردو ادب میں ہمیں اس تحریک کے اثرات سرسید اور ان کے رفقائے کار کی تحریروں خاص طور پر ڈپٹی نذیر احمد کے ناول "مراۃالعروس" میں نظر آتا ہے۔ اگر ناول "مراۃالعروس" کو آج کی نسائیت کے پیمانے میں دیکھیں تو وہ مردوں کی برتری اور پرانی قدروں کا حامل نظر آتا ہے لیکن اگر تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ اس زمانے کا ایک ترقی پسند ناول تھا۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ناول "مراۃالعروس " میں دو مرکزی کردار اکبری اور اصغری کے ذریعے خواتین کی تعلیم، تربیت، اور گھریلو نظم و نسق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اکبری کو ناسمجھ، فضول خرچ اور غیر ذمہ دار جبکہ اصغری کو سمجھدار، کفایت شعار اور تعلیم یافتہ دکھایا گیا ہے۔ اس حوالے سے اقتباس دیکھیں:

> "اکبری کو اپنی جہالت پر ناز تھا، وہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتی، نہ سلیقے کی عادی تھی، نہ کفایت شعاری جانتی تھی۔ بر خلاف اس کے اصغری نے اپنی تعلیم سے فائدہ اٹھایا تھا، گھر کا ہر کام سلیقے سے کرتی، مصیبت میں صبر اور شکر کا دامن نہ چھوڑتی۔ اس کی دانائی اور حسنِ تدبیر نے نہ صرف اپنے گھر کو سنوارا بلکہ دوسروں کے لیے بھی مثال قائم کی۔" (۱۰)

یہ اقتباس ناول کے بنیادی اصلاحی بیانیے کو واضح کرتا ہے، جہاں اکبری اور اصغری کے کرداروں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر خواتین کے لیے ایک تعلیمی اور اخلاقی سبق دیا گیا ہے۔

ادب میں ناول نگار زندگی کے صحیح، گہرے اور پُر اثر نقش بناتا ہے۔ جس وجہ سے اسے کردار اور سیرت پر خاص توجہ دینا پڑتی ہے۔ کردار جتنے متحرک اور جاندار ہوتے ہیں ناول اتنا ہی کامیاب ہوتا ہے۔ اُردو ناول نگاری کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ

عورتوں کے مسائل، جبر و استحصال، حقوق اور اصلاح خواتین ہمیشہ سے ادیبوں کا موضوع رہا ہے اور انہی جذبات و احساسات کو اپنی تحریروں کے ذریعے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

نذیر احمد سے لے کر مرزاہادی رسوا تک اور جدید ناول نگاروں نے ایسے ناول اور لافانی کردار پیش کئے ہیں جو اب تک لوگوں کے ذہنوں اور فکر پر اثر کئے ہوئے ہے۔ اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی وجہ سے جو فن پارے منظر عام پر آئے، ان میں عورت کے مسائل اور جبر واستحصال کی داستانوں کو موضوع بنا کر بے پناہ لکھا گیا۔

پریم چند اور منٹو جیسے حساس ادیبوں نے نہایت ہی رقتِ قلب اور سفاکی کے ساتھ عورت پر ہونے والے ظلم کے بارے میں بیان کیا ہے۔ معاشرے میں خاندان اور مردوں کے ہاتھوں جو بے انصافیاں عورت کے حصے میں تھی، اسے افسانہ نگاروں اور ناولوں نگاروں نے اپنی تخلیقات میں پیش کرنے کی سعی کی ہے اور کر رہے ہیں۔

عصمت چغتائی سے پہلے اردو ادب میں موجود اہم خواتین ناول نگاروں کے نام لیے جاسکتے ہیں جن کے پچاس سے زائد ادبی ناول موجود اور مقبول ہیں لیکن عصمت چغتائی واحد خاتون ناول نگار ہیں جنہوں نے پہلی بار متوسط گھرانے کی خواتین کے مسائل بے باکی کے ساتھ پیش کئے ہیں اور انہوں نے کہیں بھی فیمنزم کا نعرہ نہیں لگایا بلکہ "میری وولف ٹونکرافٹ" کے اس قول کو ہمیشہ ذہن میں رکھ کر ناول لکھے ہیں کہ عورتوں کو کچھ کہنے اور لکھنے سے پہلے دل سے پاکیزگی اور فرشتہ صفت عورت ہونے کے اس احساس کو نکال دینا چاہیے جو مردوں کا دیاہوا خطاب ہے۔

عصمت چغتائی نے اپنی تحریروں میں اسی رویہ کو اپنایا اور ادب میں ایک الگ مقام پایا۔ انہوں نے اپنے کرداروں کی بھی الگ شناخت قائم کی جس کی بہترین مثال ان کے ناول "ٹیڑھی لکیر"، "ضدی"، "دل کی دنیا" اور "معصومہ" کے کردار ہیں۔ عصمت چغتائی کے نسوانی کردار اپنے حرکات و سکنات، ترقی پسندی اور روشن خیالی کی بدولت قارئین کے ذہنوں پر نقش کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے معمولات اور روزمرہ کی حقیقت سے اپنے ناولوں کا پلاٹ تیار کیا ہے اور کرداروں کو وہ اہمیت اور مرکزیت دی جو استحصال کی وجہ سے دبے، ڈرے، کچلے اور سہمے ہوئے ہوتے ہیں۔

عصمت چغتائی کے ناولوں کو پڑھ کر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ عصمت چغتائی کی قلب نظر صرف انسانی فطرت کے سیاہ گوشوں پر رہی اور عورت کے حوالے سے ان ناولوں کا موضوع جنسی حقیقت نگاری رہا اور اسی پہلو کو وہ کھل کر ہمارے سامنے لائیں، سب سے اہم بات یہ کہ ان کے یہاں بے زبان اور احساسات سے عاری خواتین کا تصور نہیں ملتا خواہ وہ نچلے طبقے کی عورت ہو یا اعلیٰ طبقے کی۔ عصمت چغتائی اردو ادب میں نسائی شعور کی جرات مندانہ نمائندہ ہیں۔ ان کے ناول اور افسانے خواتین کے جذبات، ان کی نفسیاتی کشمکش اور سماجی جبر کی عکاسی کرتے ہیں۔

عصمت چغتائی نے اپنے ناولوں میں جنسی حقیقت نگاری کو بیان کیا ہے۔ خاص طور پر کم عمر لڑکی کے جنسی مسائل اور ساتھ ہی ان زوال آمادہ قدروں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ عصمت چغتائی نے اپنے ناول" ضدی"، " ٹیڑھی لکیر"، "باندی"، "تین اناڑی"، "معصومہ"، "دل کی دنیا" اور "ایک قطرہ خون" میں حقیقت نگاری، کردار نگاری اور جنسی مسائل کو خوبصورت انداز سے لکھا ہے۔

عصمت چغتائی کا سب سے بہترین ناول " ٹیڑھی لکیر" ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار "شمن" ہے ناول اسی کے ارد گرد گھومتا ہے۔ شمن میں بچپن سے ہی بغاوت کا عنصر موجود ہے۔ شمن کی صورت میں آزاد اور روشن خیال لڑکی کو دیکھایا گیا ہے جو کئی دفعہ مزاحمت کا سامنا کرتی ہے۔ شمن خود مختار لڑکی ہے۔ جو معاشرے اور سماج کی بندوشوں کی پرواہ نہیں کرتی ہے۔ اس حوالے سے اقتباس دیکھیے:

> "عورت ذات کوئی گائے نہیں کہ مرد جہاں چاہے اسے ہانک لے جائے، اور نہ ہی وہ کوئی چڑیا ہے کہ کسی پنجرے میں قید ہو کر خوش رہے۔ عورت بھی انسان ہے، اس کے بھی جذبات ہیں، خواہشات ہیں، اسے بھی جینے کا حق ہے، اپنی پسند کے مطابق"! (۱۱)

عصمت چغتائی کا دوسرا اہم ناول "معصومہ" ہے اس ناول میں مسلم متوسط طبقے کی معاشی اور اقتصادی زبوں حالی کو بڑے دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ ناول کے اختتام پر عام ترقی پسندوں کی طرح عصمت نے بھی معصومہ کی تباہی وبربادی کا ذمہ دار سماج کو ٹھہرایا ہے۔ ان ناول کے ذریعے عورت کی بے بسی اور مجبوری کا فائدہ اٹھانے والے دولت مندوں کے خلاف احتجاج کا نعرہ بھی بلند کیا گیا ہے اور معصومہ کی ابتری حالات کو بہتر کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

> "یہ مرد بڑے عجیب ہوتے ہیں، جب چاہا عورت کو عزت کے سنگھاسن پر بٹھادیا، جب چاہا اسے قدموں میں روند دیا۔ مگر اب عورت خاموش نہیں رہے گی۔ وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرے گی، اپنی خوشیوں اور غموں پر خود اختیار رکھے گی۔ اب وہ معصوم نہیں رہی، اب وہ سمجھ چکی ہے کہ اپنی تقدیر اپنے ہاتھ میں لینا ہی اس کی نجات ہے!" (۱۲)

منشی پریم چند نے اپنے ناولوں میں خواتین کے مسائل، ان کے حقوق، اور سماجی جبر کے خلاف مزاحمت کو نمایاں کیا ہے۔ ان کے ہاں عورت محض ایک روایتی کردار نہیں، بلکہ ایک خود مختار ہستی کے طور پر سامنے آتی ہے جو سماجی ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند کرتی ہے۔ پریم چند کے ناولوں میں عورت کو روایتی سماجی جکڑ بندیوں سے نکال کر ایک باوقار اور خود مختار ہستی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان کے ناول "گئودان"، "بازارِ حسن"، اور "میدانِ عمل" نسائی شعور اور خواتین کے مسائل کو اجاگر کرنے والے اہم تخلیقی نمونے ہیں۔

"گئودان" منشی پریم چند کا شاہکار ناول ہے جو ہندوستانی دیہی زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ اس میں خواتین کی حیثیت، ان کے مسائل اور ان کی زندگی کی جدوجہد کو نمایاں کیا گیا ہے۔ دھنیا، جو کہ اس ناول کی مرکزی خاتون کردار ہے، ایک مظلوم مگر مضبوط عورت کے طور پر ابھرتی ہے جو اپنے شوہر ہوری کے ساتھ مل کر زندگی کی مشکلات کا سامنا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"عورت مرد کی عزت کا بوجھ اپنے سر پر اٹھاتی ہے، اس کی خوشیوں کے لیے اپنی تمناؤں کا خون کر دیتی ہے، مگر جب وہ اپنے لیے کچھ مانگتی ہے تو اس کے حصے میں صرف طعنے اور دھتکار آتی ہے۔ مگر اب وہ وقت دور نہیں جب عورت اپنی تقدیر خود لکھے گی، کسی کی محتاج نہیں رہے گی"! (۱۳)

"میدانِ عمل" ایک ایسا ناول ہے جو خواتین کے تعلیمی حقوق، خود مختاری اور سماجی برابری پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس میں مرکزی کردار صفیہ ایک ایسی عورت ہے جو روایتی سماج میں رہتے ہوئے اپنی تعلیم اور خودداری کے لیے کوشاں رہتی ہے۔

"جب تک عورت خود اپنے حقوق کے لیے نہیں لڑے گی، کوئی اسے آزادی نہیں دے گا۔ مردوں کی دنیا میں عورت کو صرف تابع دار اور خدمت گزار سمجھا جاتا ہے، مگر اب عورت کو اپنی پہچان خود بنانی ہوگی!" (۱۴)

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ پریم چند کی تحریروں میں نسائیت صرف مظلومیت کا بیانیہ نہیں، بلکہ عورت کی خود مختاری اور اس کے حقوق کی بحالی پر بھی زور دیا گیا ہے۔ "بازارِ حسن" میں پریم چند نے عورت کی اقتصادی خود مختاری پر بحث کی ہے اور اس بات کو اجاگر کیا ہے کہ عورت کو اگر مواقع دیے جائیں تو وہ کسی بھی میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کر سکتی ہے۔

"عورت کو کمزور سمجھنا سب سے بڑی نادانی ہے۔ جب تک وہ دوسروں پر انحصار کرے گی، اسے ظلم سہنا پڑے گا۔ لیکن جب وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوگی، تبھی وہ سماج میں عزت اور برابری حاصل کر سکے گی۔" (۱۵)

یہ اقتباس اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ پریم چند نے عورت کے سماجی اور اقتصادی حقوق پر زور دیا اور اسے محض روایتی حدود میں قید نہیں رکھا۔

سعادت حسن منٹو کے افسانے اور ناول نسائی کرداروں کو سماجی جبر، نفسیاتی پیچیدگیوں اور حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ وہ عورت کو محض ایک جذباتی یا مظلوم کردار کے طور پر نہیں دکھاتے، بلکہ اس کی داخلی کشمکش، خود مختاری کی خواہش اور سماج کے دوہرے معیاروں کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"عورت ہمیشہ سے مرد کے لیے ایک معمہ رہی ہے۔ کبھی وہ اسے دیوی بنا کر پوجتا ہے، کبھی اسے قدموں تلے روند دیتا ہے۔ مگر عورت نہ دیوی ہے، نہ پاؤں کی جوتی، وہ ایک انسان ہے، ایک مکمل انسان، جس کی اپنی خواہشیں، اپنی ضروریات اور اپنی پہچان ہے۔ جب تک یہ سماج اسے محض ایک شے سمجھتا رہے گا، عورت کا وجود یونہی سلگتا رہے گا۔" (۱۶)

عزیز احمد کے پہلے دو ناولوں یعنی "ہوس"، "مرمر اور خون" میں جنسیت کے دو روپ سامنے آتے ہیں۔ ناول "ہوس" میں ایک مشرقی عورت "زلیخا" کی کہانی جو باپردہ لڑکی کے روپ میں سامنے آتی ہے جبکہ ناول "مرمر اور خون" میں "عذرا" مشرق و مغرب کے متضاد عناصر سے تعمیر ہوئی ہے۔ ان کے ایک اور ناول "گریز" میں (بلقیس) اپنی پوری انفرادیت کے ساتھ سامنے آئی ہے اس ناول میں مشرق و مغرب عورت کا فرق نہایت خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ عزیز احمد کے خیال میں مشرق اور مغرب کی عورت میں صرف کالی اور

گوری چمڑی کا ہی نہیں بلکہ ان کے اندر موجود جذبات اور احساسات کا بھی ہے۔ ان کے ناولوں میں نسوانی کرداروں کا زیادہ تر نوجوان طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس میں "شبنم" کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ "ہوس" ناول کی زلیخا، "مرمر اور خون" کی عذرا، "گریز" میں بلقیس، "برے لوگ" میں شمع اور نسرین لڑکیاں فریب اور محبت میں گرفتار ہو کر اپنے پاک دامن اور تہذیب کو کھو دیتی ہیں۔ یہ سب کردار مردوں کے استحصال کا نشانہ بھی بنتی ہیں۔ عزیز احمد کا ناول "ایسی بلندی ایسی پستی" میں "نور جہاں" کسی غیر مرد کی بجائے شوہر کی بے وفائی کا نشانہ بنتی ہے۔

ناول "ہوس" عورت کے استحصال اور مرد کی جنسی ہوس پر ایک گہری تنقید ہے۔ اس میں زلیخا کے کردار کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے، جو مردوں کے جبر کے خلاف اپنی شناخت تلاش کرتی ہے۔ اقتباس دیکھیے:

> "یہ دنیا عورت کے لیے قید خانہ ہے، جہاں اسے ہر لمحہ اپنے وجود کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ زلیخا نے پہلی بار سوچا کہ وہ کب تک دوسروں کے فیصلوں پر زندہ رہے گی؟ اسے جینے کا حق چاہیے، اپنی خوشی کا، اپنی شناخت کا حق!" (۱۷)

ناول "مرمر اور خون" تقسیمِ ہند کے پس منظر میں لکھا گیا تھا اور عورت کی سماجی، سیاسی، اور جذباتی جدوجہد کو نمایاں کرتا ہے۔ عذرا ایک ایسی عورت ہے جو اپنی شناخت اور حقوق کے لیے برسرِ پیکار ہے۔ اقتباس دیکھیے:

> "عذرا نے آئینہ دیکھا، تو اس کی آنکھوں میں کئی سوال تھے۔ کیا عورت ہمیشہ قربانی کے لیے بنی ہے؟ کیا اس کا کوئی خواب، کوئی خواہش، کوئی حق نہیں؟ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی تقدیر خود لکھے گی۔" (۱۸)

ناول "گریز" عورت کے داخلی اور خارجی مسائل کو بیان کرتا ہے۔ بلقیس ایک ایسی پڑھی لکھی عورت ہے جو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا چاہتی ہے، مگر سماجی جکڑبندیوں میں الجھ جاتی ہے۔

> "بلقیس جانتی تھی کہ عورت اگر خود اپنی عزت نہ کرے، تو دنیا اسے صرف ایک تماشہ سمجھے گی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرے گی، چاہے دنیا کچھ بھی کہے!" (۱۹)

ناول "برے لوگ" عورت کے طبقاتی اور سماجی مسائل کو اجاگر کرتا ہے۔ شمع اور نسرین دونوں مختلف طبقاتی پس منظر سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن دونوں عورت کے لیے یکساں جبر کا شکار ہیں۔ اقتباس دیکھیے:

> "نسرین نے کہا، 'ہمیشہ عورت سے سوال کیا جاتا ہے، اس کے کردار پر انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں، مگر مرد آزاد ہے، بے قصور ہے؟' شمع نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا، 'یہی تو ہماری بدقسمتی ہے، ہمیں اپنے اصول خود بنانے ہوں گے۔'"(۲۰)

عزیز احمد کے ناولوں میں عورت کا کردار صرف مظلوم یا قربانی دینے والی ہستی کے طور پر نہیں بلکہ ایک مضبوط، باشعور اور اپنی شناخت کے لیے لڑنے والی شخصیت کے طور پر ابھرتا ہے۔ ان کے ناول "ہوس"، "مرمر اور خون"، "گریز"، اور "برے لوگ" میں

عورتوں کے کردار روایتی سماج کے خلاف بغاوت کرتے نظر آتے ہیں۔ ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ عزیز احمد کے ناول نسائیت کے ایک مضبوط بیانیے کے حامل ہیں، جو عورت کے مساوی حقوق، آزادی اور خود مختاری کے داعی ہیں۔

عورت کے تصور کے حوالے سے سب سے بڑا نام قرۃ العین حیدر کا ہے۔ قرۃ العین حیدر اردو ادب کی ممتاز دانشور اور معاشرے کی سفاک ترجمان تھیں۔ ان کے فکری رویوں کو براہِ راست تانیثیت سے وابستہ نہیں کر سکتے لیکن انہوں نے عورت کے مسائل، مجبوری، لاچاری، مقدر اور جبر و استحصال کو موضوع اور مرکزی محور بنایا ہے۔ قرۃ العین نے جہاں جبر و استحصال کو موضوع بنایا وہی عورت کی وفاداری، خود سپردگی اور قربانی کی داستان کو بھی اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا ہے۔ جو ان کے ناول "یادوں کی ایک دھنک جلے"، "اگلے جنم موہے بٹیانہ کیجیو"، "سیتاہرن" ہیں جس میں عورت کے استحصال کی کہانی دہرائی گئی ہے۔

ان کے ناول "آگ کا دریا"، "جلاوطن"، چائے کے داغ"، "دل رُبا"، "آخر شب کے ہمسفر" اور "میرے بھی صنم خانے" میں عورت فریب کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ قرۃ العین حیدر ایک ایسی فنکار ہیں جنہوں نے ایک عورت کی حیثیت سے عورت کی نفسیات کا بہت گہرائی سے تجزیہ کیا ہے۔ قرۃ العین نے ایسی حقیقی روایت کو پیش کیا جسے تاریخ میں صحیح حقیقی تحریروں کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔

"آگ کا دریا" ناول برصغیر کی ہزار سالہ تاریخ کا ایک عظیم بیانیہ ہے، جس میں مختلف تاریخی ادوار میں عورت کی حیثیت، اس کے مسائل اور اس کی آزادی کی خواہش کو بیان کیا گیا ہے۔ چمپا بائی، کامنی، رضیہ اور دیگر خواتین کردار مختلف ادوار میں عورت کے مقام کی عکاسی کرتے ہیں۔

> "عورت ہر دور میں کٹھ پتلی رہی ہے، کسی نے اسے دیوی بنا کر پوجا، کسی نے بازار میں سجا دیا، اور کسی نے گھر کی چار دیواری میں قید کر دیا۔ مگر وہ کب تک خاموش رہے گی؟ اسے اپنی آزادی کا فیصلہ خود کرنا ہوگا، ورنہ تاریخ اسے صرف ایک تماشائی کے طور پر یاد رکھے گی۔" (۲۱)

"میرے بھی صنم خانے" ناول برصغیر کی سماجی تبدیلیوں اور عورت کی نفسیاتی و جذباتی الجھنوں کو نمایاں کرتا ہے۔ اس میں عورت کی شناخت، اس کی خود مختاری اور روایتی پابندیوں کے خلاف اس کی جدوجہد کو موضوع بنایا گیا ہے۔

> "میں نے ہمیشہ سنا تھا کہ عورت کی سب سے بڑی کامیابی اس کی قربانی ہے، مگر اب سوچتی ہوں، آخر کیوں؟ کیا ہمیں اپنے خوابوں کو قربان کرتے چلے جانا چاہیے؟ کیا ہمارا کوئی حق نہیں؟" (۲۲)

ناول "آخر شب کے ہمسفر" عورت کے جذباتی، سماجی اور نفسیاتی مسائل پر گہری نظر رکھتا ہے، جس میں عورت کی زندگی کے نشیب و فراز کو بیان کیا گیا ہے۔

> "عورت ہمیشہ ایک رشتہ، ایک کردار، ایک فرض بن کر رہتی ہے۔ مگر وہ کب ایک مکمل انسان بنے گی؟ کب اسے وہ مقام ملے گا جو اس کا حق ہے؟ کب وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرے گی؟" (۲۳)

"چاندنی بیگم" ناول عورت کے طبقاتی اور سماجی مسائل کو اجاگر کرتا ہے، جس میں چاندنی بیگم ایک جدید عورت کی علامت ہے جو اپنی خود مختاری کے لیے کوشاں ہے۔

" کبھی عورت کو محبت کے نام پر قید کیا جاتا ہے، کبھی عزت کے نام پر، اور کبھی مذہب کے نام پر۔ مگر چاندنی بیگم نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی مالک خود بنے گی، چاہے دنیا کچھ بھی کہے"! (۲۴)

فضل کریم فضلی کے ناول "خونِ جگر ہونے تک" اور "سحر ہونے تک" میں نسوانی کردار نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ کردار نہ صرف کہانی کے تانے بانے کو بُنتے ہیں بلکہ مصنف کے نظریات، سماجی رویّوں اور جذباتی کشمکش کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ ان ناولوں میں خواتین کرداروں کی متنوع صورتیں سامنے آتی ہیں، جو کبھی مظلوم، کبھی مزاحمت کار، اور کبھی روایتی سماجی ڈھانچے کو چیلنج کرنے والی ہوتی ہیں۔

"خونِ جگر ہونے تک" میں نسوانی کردار "مریم" اس ناول کا ایک نمایاں کردار ہے جو محبت، وفاداری اور قربانی کی علامت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ وہ روایتی مشرقی عورت کی خصوصیات کی حامل ہے، جو اپنی عزت، خاندان اور محبت کے لیے ہر تکلیف کو سہنے کے لیے تیار رہتی ہے۔ مریم کا کردار جذباتی کشمکش کا شکار نظر آتا ہے، جہاں وہ اپنی محبت اور سماجی پابندیوں کے درمیان پھنس کر رہ جاتی ہے۔ وہ اپنی ذات کو قربان کر کے دوسروں کی فلاح کے لیے جینے کا فیصلہ کرتی ہے، جو اس کے کردار کو انتہائی متاثر کن بنا دیتا ہے۔

جبکہ "صبیحہ" ایک ایسا نسوانی کردار ہے جو مروجہ روایات کے برخلاف اپنی شناخت قائم رکھنے کے لیے کوشاں ہے۔ وہ ایک تعلیم یافتہ اور باشعور عورت کے طور پر ابھرتی ہے، جو محبت کو محض جذباتی وابستگی نہیں سمجھتی بلکہ اسے ایک باوقار رشتے کے طور پر دیکھتی ہے۔ صبیحہ کا کردار اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ عورت کو اپنی خودی اور عزت کی حفاظت کے لیے سخت فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔

"سحر ہونے تک" میں نسوانی کردار "زینب" اس ناول کا سب سے اہم نسوانی کردار ہے، جو نہ صرف جذباتی بلکہ عملی طور پر بھی ایک مضبوط عورت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ وہ محبت میں ناکامی، سماجی رکاوٹوں اور صنفی تعصب کا سامنا کرتی ہے، مگر اس کے باوجود ہمت نہیں ہارتی۔ زینب کا کردار عورت کے صبر، حوصلے اور قربانی کو اجاگر کرتا ہے۔ وہ ہر قسم کی مشکلات کے باوجود اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوشش کرتی رہتی ہے اور ایک روشن صبح کی امید رکھتی ہے۔

"فریحہ" کا کردار ایک ایسے معاشرتی انقلاب کی نمائندگی کرتا ہے جہاں عورت کو روایتی رشتوں میں جکڑ کر نہیں رکھا جاسکتا۔ وہ ایک خود مختار، باشعور اور جدید خیالات رکھنے والی عورت ہے جو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اس کے کردار کے ذریعے مصنف نے یہ پیغام دیا کہ عورت کو مرد کے زیرِ سایہ رہنے کے بجائے اپنی صلاحیتوں کو پہچاننا چاہیے اور اپنے فیصلے خود لینے چاہئیں۔

شوکت صدیقی کے ناول "خدا کی بستی" اور "جانگلوس" میں نسوانی کردار اہم سماجی مسائل اور عورت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں خواتین کے کردار صرف پس منظر میں نہیں، بلکہ وہ کہانی کے دھارے کو متاثر کرنے والے عناصر میں شامل ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے مصنف نے عورتوں کی قربانی، مظلومیت، جدوجہد اور خود مختاری کو نمایاں کیا ہے۔

"خدا کی بستی" میں متوسط اور نچلے طبقے کی خواتین کے مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہاں عورت کا کردار مظلومیت، بے بسی اور بعض مواقع پر جرات و استقامت کی تصویر پیش کرتا ہے۔ اس ناول میں راجہ کی ماں ایک مجبور اور بے بس عورت کی نمائندگی کرتی ہے جو اپنے بچوں کی بہتر زندگی کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔ غربت کے باوجود وہ اپنے بیٹے کی تربیت کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی ہے جبکہ سکینہ کا کردار اس سماج کی عورت کی عکاسی کرتا ہے جو غربت اور معاشرتی ناہمواریوں کے باعث استحصال کا شکار ہوتی ہے۔

"جانگلوس" میں جاگیرداری اور استحصالی نظام کے پس منظر میں عورت کی بے بسی اور جدوجہد کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہاں عورت ایک طرف مظلومیت کی علامت ہے تو دوسری طرف وہ مزاحمت کا نشان بھی ہے۔

زینت کا کردار جاگیرداری کے خلاف مزاحمت کی علامت ہے۔ وہ ظلم کے خلاف کھڑی ہوتی ہے اور روایتی صنفی تفریق کو چیلنج کرتی ہے۔ جبکہ جمنا ایک ایسی عورت ہے جو محبت میں قربانی دیتی ہے اور جاگیرداری نظام کے خلاف اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتی ہے۔

ان کے علاوہ نسائیت کے موضوع پر بہترین ناول لکھنے والوں میں احسن فاروقی (شامِ اودھ، راہ رسم آشنائی، آبلہ دل کا، سنگم)، ممتاز مفتی (علی پور کا ایلی، الکھ نگری)، نثار عزیز بٹ (نگری نگری پھرا مسافر، نےِ چراغ نےِ گلے، کاروانِ وجود، دریا کے سنگ)، انتظار حسین (چاند گہن، بستی، تذکرہ، آگے سمندر)، رضیہ فصیح احمد (انتظار معصومِ گل، آبلہ پا، اک جہاں اور بھی ہے، متاعِ درد، آزارِ عشق، صدیوں کے زنجیر، یہ خواب سارے) جمیلہ ہاشمی (تلاشِ بہاراں، دشتِ سوس، چہرہ بہ چہرہ رو بہ رو) ڈاکٹر انور سجاد (خوشیوں کا باغ، جنم روپ) اور بانو قدسیہ کے (شہر بے مثال، راجہ گدھ) وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان میں نسائی ادب کے حوالے سے بات کی جائے تو پاکستانی معاشرے میں عورت کا وجود تخلیقی اظہار کے حوالے سے کھلی فضا میں موجود ہونے کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ پاکستان میں آج بھی معاشرے کے لوگ قدیم روایات کی پاسداری، فرسودہ علاقوں کی رسم و رواج، مختلف مذہب کے عقیدوں اور اقدار کی کھینچی ہوئی سرحدوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن اکیسویں صدی کی بدلتی فضا میں ۶۰٪ خواتین اپنے حقوق سے آگاہ ہوئی ہیں اور اپنے حقوق کے لیے آواز اُٹھا رہی ہیں مگر ان میں کچھ اونچے طبقے کی خواتین ایسی ہیں جنہوں نے حقوق اور آزادی کے معنی ہی بدل دیے ہیں۔

اکیسویں صدی میں احتجاج چند عورت کا روحانی زیور بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی عورت مردوں کے دیے نتھ، ہنسلی اور چوڑیوں کی جگہ اقتصادی آزادی کے زیور پہنے ہوئے ہیں۔ کرداروں کی پیشکش میں ناول نگار کو نہایت احتیاط اور مہارت سے کام لینا پڑتا ہے۔ ناول میں کہانی، اسلوب اور کرداروں کے درمیان توازن کا ہونا لازم ہے۔ نسائیت اور اردو ناول کے جائزے سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے

کہ زیرِ بحث ناولوں اور ناول نگاروں کے کردار نسوانی فکر و تحریک سے متاثر ہیں۔ ان ناولوں میں صدیوں سے مبنی مظلومیت و محکومیت کے خلاف آواز اُٹھائی گئی اور خواتین کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

حوالہ جات

1. Ifor, Evans, "A short Story of English Literature", Penguin books, London,۱۹۴۰, p:۱۴۹-۵۰

۲. یوسف سرمست، ڈاکٹر، "بیسویں صدی میں اُردو ناول"، (لاہور: ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء)، ص ۲۶

۳. ناز قادری، "اُردو ناول کا سفر تحقیقی و تنقیدی جائزہ"، (مظفرپور: مکتبہ صدف، ۲۰۰۱ء)، ص ۴۷، ۴۸، ۵۰

۴. انور پاشا، ڈاکٹر، "ہندو پاک میں اُردو ناول تقابلی مطالعہ"، (دہلی: پیش رُو پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء)، ص ۱۹۵، ۱۶۸

۵. احمد صغیر، ڈاکٹر، "اُردو ناول کا تنقیدی جائزہ ۱۹۸۰ء کے بعد"، (دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۱۵ء)، ص ۳۱

۶. صالحہ زریں، "اُردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک" (لکھنؤ: خواجہ معین الدین چشتی یونیورسٹی، ۲۰۰۰ء)، ص ۵۹

۷. اسلم آزاد، ڈاکٹر، "اُردو ناول آزادی کے بعد" (بہار: اُردو اکیڈمی، ۱۹۸۱ء)، ص ۲۱

۸. انجم الہدیٰ، ڈاکٹر، "کردار اور کردار نگاری"، (پٹنہ: بہار اُردو اکیڈمی، ۱۹۸۰ء)، ص ۱۰۳، ۱۰۲

۹. ناز قادری، "اُردو ناول کا سفر تحقیقی و تنقیدی جائزہ"، ص ۶۳

۱۰. ڈپٹی نذیر احمد، "مراۃ العروس"، (لکھنؤ: مطبع نولکشور، ۱۸۶۹ء)، ص ۸۷

۱۱. عصمت چغتائی، "ٹیڑھی لکیر"، (دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۴۵ء)، ص ۱۲۰

۱۲. عصمت چغتائی، "معصومہ"، (دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۶۲ء)، ص ۱۷۵

۱۳. منشی پریم چند، "گئودان"، (لکھنؤ: نول کشور پریس، ۱۹۳۶ء)، ص ۲۸۷

۱۴. منشی پریم چند، "میدان عمل"، (لاہور: مکتبہ نیادور، ۱۹۲۲ء)، ص ۱۹۲

۱۵. منشی پریم چند، "بازار حسن"، (لکھنؤ: نول کشور پریس، ۱۹۱۹ء)، ص ۱۳۴

۱۶. سعادت حسن منٹو، "بغیر عنوان کے"، (لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۴ء)، ص ۹۸

۱۷. عزیز احمد، "ہوس"، (لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۴۳ء)، ص ۱۹۸

۱۸. عزیز احمد، "مرمر اور خون"، (دہلی: نیا ادارہ، ۱۹۴۷ء)، ص ۲۲۵

۱۹. عزیز احمد، "گریز" ،(کراچی: مکتبہ علم و فن، ۱۹۵۴ء)، ص ۱۷۲

۲۰. عزیز احمد، "برے لوگ" ،(لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۶۰ء)، ص ۲۱۰

۲۱. قراۃ العین حیدر، "آگ کا دریا" ،(دہلی: مکتبہ جدید، ۱۹۵۹ء)، ص ۳۴۲

۲۲. قراۃ العین حیدر، "میرے بھی صنم خانے" ،(لاہور: کتاب محل، ۱۹۷۷ء)، ص ۲۱۰

۲۳. قراۃ العین حیدر، "آخر شب کے ہمسفر، "،(لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۷۹ء)، ص ۱۷۵

۲۴. قراۃ العین حیدر، "چاندنی بیگم، "،(لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۰ء)، ص ۱۹۸

References:

1. Ifor, Evans, "A Short History of English Literature", Penguin Books, London, 1940, p 149-50
2. Yusuf Sarmast, Dr., "Bisween Sadi Mein Urdu Novel", Lahore: Taraqqi Urdu Bureau, 1983), p 26
3. Naaz Qadri, "Urdu Novel Ka Safar: Tahqeeqi o Tanqeedi Jaiza", Muzaffarpur: Maktaba Sadaf, 2001, p 47, 48, 50
4. Anwar Pasha, Dr., "Hind o Pak Mein Urdu Novel: Taqabuli Mutala'ah", Dehli: Peshro Publications, 1992, p 168, 195
5. Ahmed Sagheer, Dr., "Urdu Novel Ka Tanqeedi Jaiza 1980 Ke Baad", Dehli: Educational Publishing House, 2015, p 31
6. Saliha Zareen, "Urdu Novel Ka Samaji aur Siyasi Mutala'ah: Ibtida Se 1947 Tak", Lucknow: Khwaja Moinuddin Chishti University, 2000, p 59
7. Aslam Azad, Dr., "Urdu Novel Azadi Ke Baad", (Bihar: Urdu Academy, 1981), p 21
8. Anjum Al-Huda, Dr., "Kirdar Aur Kirdar Nigari", Patna: Bihar Urdu Academy, 1980, p 102, 103
9. Naaz Qadri, "Urdu Novel Ka Safar: Tahqeeqi o Tanqeedi Jaiza", p 63
10. Deputy Nazeer Ahmed, "Mirat-ul-Uroos", Lucknow: Matba Nawal Kishore, 1869, p 87
11. Ismat Chughtai, "Terhi Lakeer", Dehli: Maktaba Jamia, 1945, p 120
12. Ismat Chughtai, "Masoomah", Dehli: Maktaba Jamia, 1962, p 175
13. Munshi Prem Chand, "Gao Daan", Lucknow: Nawal Kishore Press, 1936, p 287
14. Munshi Prem Chand, "Maidan-e-Amal", Lahore: Maktaba Naya Daur, 1922, p 192
15. Munshi Prem Chand, "Bazaar-e-Husn", Lucknow: Nawal Kishore Press, 1919, p 134
16. Saadat Hasan Manto, "Bagair Unwan Ke", Lahore: Maktaba Jadeed, 1954, p 98
17. Aziz Ahmed, "Hawas", Lahore: Maktaba Jadeed, 1943, p 198
18. Aziz Ahmed, "Marmar aur Khoon", Dehli: Naya Idara, 1947, p 225

19. Aziz Ahmed, “Guraiz”, Karachi: Maktaba Ilm o Fan, 1954, p 172
20. Aziz Ahmed, “Buray Log”, Lahore: Maktaba Jadeed, 1960, p 210
21. Qurratulain Hyder, “Aag Ka Darya”, Dehli: Maktaba Jadeed, 1959, p342
22. Qurratulain Hyder, “Mere Bhi Sanam Khane”, Lahore: Kitab Mahal, 1977, p 210
23. Qurratulain Hyder, “Aakhir-e-Shab Ke Humsafar”, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1979, p 175
24. Qurratulain Hyder, “Chandni Begum”, Lahore: Majlis Taraqqi-e-Adab, 1990, p 198